دور حاضر میں نہج البلاغہ کی اہمیت

پروفیسر سید محمد سیادت نقوی
امام جمعہ امروہہ

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دنیا کی قدیم وجدید، مروّجہ وغیر مروّجہ اور زندہ ومردہ تمام زبانوں میں کوئی زبان ایسی نہیں جس میں کم از کم محدود خطے اور محدو علاقے کے سماج اور معاشرے کی اصلاح اور تہذیب واخلاق انسانی کے عروج وارتقاء کو اولین حیثیت نہ دی جاتی رہی ہو۔ چنانچہ ہر زبان میں اس اصلاحی عنصر کی اہمیت کے پیش نظر ایسا ماحول بھی تعمیر کیا جاتا رہاہے جو اس بنیادی مقصد کو پورا کرنے میں معاونت کرسکے اور اس زبان کے لئے عوامی مقبولیت کا ضامن بھی ہو۔ اسی لئے ہر زبان میں زندگی کے اس عظیم موضوع کو ہمیشہ اہمیت حاصل رہی ہے، جسے سماجی اصطلاح کے مطابق وعظ ونصیحت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ دنیا کی جتنی بھی قدیم زبانیں ہیں، ان تمام زبانوں میں اس اہم موضوع پر زبردست لٹریچر اور مواد پایا جاتا ہے۔ بلکہ بیشتر زبانوں میں تو بڑا حصہ وعظ وحکمت پر ہی مشتمل ہے، یعنی ان زبانوں کی بنیادی قدامت کا سبب اور ان کی مقبولیت کا راز ہی وعظ وحکمت کی ترویج وتبلیغ میں مضمر ہے۔

عربی زبان جو دنیا کی قدیم ترین زبانوں میں اپنی لسانی نوعیت کے اعتبار سے ابتداہی سے انفرادیت کی حامل رہی ہے۔ جس میں حیات انسانی سے متعلق ان تمام موضوعات پر مفصل ومجمل دونوں حیثیتوں سے مکمل مواد پایا جاتا ہے۔ جو حیات انسانی کے لئے ہر زمانے میں ناگزیر سمجھے جاتے رہے ہیں۔ اس میں بھی وعظ وحکمت کے موضوع کو بطور خاص اہمیت دی گئی ہے۔ جس کا اولین اور لاثانی نمونہ ''قرآن مجید'' ہے، جسے خالق کلام کا کلام ہونے کا شرف حاصل ہے اور دوسرا نمونۂ کلام، کلام رسولؐ ہے۔ جو احادیث کی صورت میں ہم تک پہنچا ہے۔ اس کے بعد عربی نثر میں ''نہج البلاغہ'' کے نثری انداز وآہنگ اور اسلوب وعظ وحکمت کا جواب باوجود دارا تقائے علم وادب آج تک کوئی نہیں لاسکا۔

قرآن مجید اور کتب احادیث کی حیثیت اپنے متکلم کی عظمت کے اعتبار سے بالکل علیحدہ ہے۔ لیکن اس کے بعد ''نہج البلاغہ'' ایک ایسا مجموعہ کلام ہے جس کی مثال دنیائے علم پیش کرنے سے

قاصر ہے ۔حقیقتاً کلام خدا اورکلام رسولؐ ہی نہج البلاغہ کی اساس اور سرچشمہ ہیں۔ انہیں کی تشریحات وتوضیحات کو نہج البلاغہ میں موضوع کلام قرار دیا گیا ہے۔

نہج البلاغہ کے خطبات ومکتوبات کو منظر عام پر آئے ہوئے ایک ہزار سال سے زائد عرصہ گذر چکا ہے ۔لیکن اس کی لسانی وادبی اہمیت اور اس کے اثرات نیز اس کے موضوعات ومواد میں آج تک کسی کمی کا احساس نہیں ہوتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس طویل عرصے کے لسانی تغیرات وانقلابات کے باوجود یہ ایک ایسا زندہ وپائندہ کلام ہے کہ ارتقائے علم اور ارتقائے بشریت کے ساتھ اس کی مقبولیت اور اثر انگیزی میں روز افزوں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

رفتار زمانہ کے ساتھ جس کے ارتقائے علم وحکمت کے ذریعے روز بروز ، نوبہ نو انکشافات رونما ہورہے ہیں۔ اسی قدر یہ کلام بلیغ دل کی دھڑکنوں کو تیزی ، احساسات وجذبات کو لطافت اور آنسوؤں کو روانی عطا کررہا ہے اور جب تک انسانیت باقی رہے گی یہ کلام دنیائے انسانیت کی رہنمائی کرتا رہے گا اور بشریت کو اس کے نقطہ عروج وارتقاء کے سلسلے میں محوجستجو رکھے گا۔

حقیقتاً نہج البلاغہ کی علمی ولسانی اہمیت کو کماحقہ سمجھنا عام انسان کے دائرہ فکر سے باہر ہے ۔ اسی لئے دنیا کے وہ زبردست صاحبان فکر ونظر جن کی علمی بصیرت اور لسانی عظمت دنیائے ادب میں مسلمہ حیثیت رکھتی ہے، اس کی لسانی عظمت اورفکری پرواز کو دیکھ کر''تحت کلام الخالق وفوق کلام البشر'' کہے بغیر نہ رہ سکے اور زندگی بھر اس کے گہرہائے آبدار سے ضیا حاصل کرتے رہے ہیں۔

اس عظیم کلام کا خالق وہ عظیم انسان اور وہ لاثانی شخصیت ہے جسے رسول اکرمؐ نے بابِ شہرعلم وحکمت ہونے کا شرف بخشا۔ جیسا کہ مرسل اعظمؐ کی متفقہ حدیث ہے کہ'' انا مدینة العلم وعلیؑ بابها'' یعنی میں شہرعلم ہوں اورعلیؑ اس شہر کا دروازہ ہیں۔ یہ قول اس عالم علم لدنّی کا ہے'' جسے خالق کائنات نے ویعلمهم الکتاب والحکمة ۱؎ کی سندعطا فرمائی ہے۔ کیا کہنا بلاغت کلام رسالت کا کہ رسول اکرمؐ نے خود کو شہرعلم فرمایا ہے۔ بیت العلم یا دار العلوم نہیں فرمایا ۔ جبکہ بظاہر''بیت'' اور ''دار'' کی لفظیں زیادہ قرین ذہن وقیاس معلوم ہوتی ہیں ۔لیکن پیغمبر اسلامؐ نے ان دونوں سامنے کے الفاظ کونظر انداز کرکے'' شہر'' کے لفظ کومنتخب فرمایا ۔اس لئے کہ لفظ''بیت'' اور''دار'' اپنے مفہوم ومعنی کے لحاظ سے محدود ومتعین ہیں جوکسی مخصوص فرد یا مخصوص خاندان سے متعلق ہوتے ہیں۔لیکن لفظ''شہر'' کا اطلاق اپنے وسعت مفہوم ومعنی کے اعتبار سے ایک ایسے مقام کے لئے ہوتا ہے جسے

بیک وقت مختلف النوع اور مختلف الخیال اقوام وقبائل کی مرکز یت حاصل ہوتی ہے۔

حقیقتاً رسول اکرمؐ نے اس حدیث میں اپنے لئے لفظ ''شہر'' استعمال کرکے اپنی علمی لامحدودیت کی طرف انتہائی بلیغ پیرایۂ بیان میں ارشاد فرمایا ہے، یعنی جس طرح ایک شہر میں مختلف النوع اور مختلف الخیال اقوام اپنے علیحدہ علیحدہ طرز حیات کے مطابق نشوونما اور پرورش پا کر اپنی شہری نوعیت کے اعتبار سے ایک ہیں اسی طرح رسول اکرمؐ کی ذات والا صفات ،مختلف النوع علوم، خواہ معلومہ ہوں یا غیرمعلومہ، ان تمام علوم کا بحیثیت مجموعہ ایک مرکز وماویٰ ہیں اور جس طرح رسول اکرمؐ تمام علوم کا ملجاوماویٰ ہیں بالکل اسی طرح علی ابن ابیطالبؑ کی ذات ان تمام علوم کا منبع ومخرج ہے۔

حقیقتاً تاریخ انسانیت میں رسول اکرمؐ کے بعد مولائے کائنات حضرت علی ابن ابیطالبؑ کی ذات دنیائے علم وحکمت میں ایک ایسی منفرد ذات ہے کہ تاریخ انسانیت جس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔

دور حاضر جسے ہر اعتبار سے علم وحکمت کے ارتقاء وعروج کا دور تصور کیا جاتا ہے جس میں سائنسی تحقیقات وایجادات اس طرح تیزی سے اپنی معراج حاصل کررہی ہیں کہ صبح کی تحقیق شام تک باسی ہوجاتی ہے۔ اس زبردست ارتقاء عروج کے باوجود خطیب منبر سلونی کے علمی کمالات کا احاطہ کرنا اور جن حکیمانہ اسرار ورموز کے انکشافات آج سے تقریباً چودہ سو برس پیشتر پیش کئے جاچکے ہیں۔ ان انکشافات کے سلسلے میں شمّہ برابر روشنی ڈالنا آج کی علمی دنیا کے بس سے باہر ہے۔ حقیقتاً باب مدینۃ العلم کی شخصیت علم وحکمت کا ایک ایسا بحرِ بیکراں ہے۔ جس کی وسعت ،عمق اور حدود کا تصور کرنا ناممکن ہی نہیں بلکہ محال ہے۔ جیسا کہ مولائے کائنات کا وہ خطبہ جو خطبۂ شقشقیہ کے نام سے مشہور ہے اس میں آپ نے خود اس طرح ارشاد فرمایا ہے۔

ینحدر عنّی السّیل ولا یرقی الیّ الطّیر۔[۲]

''علوم ومعارف ، میرے سرچشمۂ فیض سے سیلاب کی طرح جاری ہوتے ہیں۔کوئی کتنا بھی تیز پرواز کیوں نہ ہو،علم ودانش کے آسمان میں وہ میری رفعت وبلندی کونہیں پہنچ سکتا۔''

نہج البلاغہ جو آپ کے فرمودات کا ایک ایسانایاب وگرانقدر خزانہ ہے جس کے گہرہائے آبدار اپنی تابش اور تابندگی سے ہر دور میں صاحبان علم وحکمت کی نگاہوں کو خیرہ کرتے رہے ہیں۔ زندگی سے متعلق کوئی موضوع ایسا نہیں ہے۔ جس پر اس گرانقدر علمی سرمایہ میں مختلف انداز سے روشنی نہ ڈالی

گئی ہو۔ چنانچہ تاریخ انسانیت میں کوئی دور ایسا نہیں ملتا جس میں بقدر ظرف اس سے اخذ فیض نہ کیا گیا ہو اور اس کی علمی برتری اور حکیمانہ عظمت تسلیم نہ کی جاتی رہی ہو۔

جہالت اور علمی کم مائیگی کے سبب وہ فطری حقائق جو آج سے تقریباً ایک ہزار سال پیشتر پردۂ خفا میں تھے اس دور ارتقاء میں جدید تحقیقات اور سائنسی انکشافات کے ذریعے جس قدر بے نقاب ہوتے جارہے ہیں، نہج البلاغہ کی قدر ومنزلت میں روز افزوں اضافہ ہوتا جارہا ہے اور اس نایاب علمی سرمائے کی طرف عام طور پر اذہان متوجہ ہورہے ہیں۔ صاحبان فکر ونظر اس بحر ذخار میں غوطے لگا کر گہرہائے آبدار کی تلاش وجستجو میں مصروف ہیں۔

یہاں انہی فرمودات میں سے چند اقوال پیش کئے جارہے ہیں۔ تاکہ ہماری نئی نسل کو مولائے کائنات کے عالمانہ جاہ وجلال اوران کی حکیمانہ عظمت کا ہلکا سا اندازہ ہوسکے اور اپنی تجرباتی زندگی کو اس گرانقدر علمی خزانے کے ذریعہ کامیابی سے ہمکنار کرسکے۔

چنانچہ ایک مقام پر خلقت انسانی اور اس کے اعضاء وجوارح پر اظہار کرتے ہوئے ان اعضاء کے بنیادی حقائق پر بلیغ اشاریت کے ذریعے اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے۔

"اعجبوا لهذا الانسان ينظر بشحمٍ، ويتكلم بلحم، ويسمع بعظمٍ، ويتنفس من خرم۔"[۳]

لائق تعجب ہے یہ انسان کہ چربی سے دیکھتا ہے، گوشت کے لوتھڑے سے بولتا ہے، ہڈی سے سنتا ہے اور ایک سوراخ سے سانس لیتا ہے۔

آج جبکہ طبی تحقیقات اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ رہی ہیں۔ یہ بات پوری طرح ثابت ہوچکی ہے کہ انسان کا نقطۂ بصارت چربی ہے، جس سے وہ دیکھتا ہے اور کان میں ایک ایسی ہڈی ہے جس پر آواز جاکر ٹکراتی ہے اور اس کے ارتعاش سے قوت سماعت پیدا ہوتی ہے۔ جسے مولائے کائنات ایک ہزار سال پیشتر واضح کرچکے ہیں۔

علم وحکمت کے بنیادی حقائق اور اس کی افادیت سے روشناس کرنے کے سلسلے میں نہج البلاغہ میں بڑے اہتمام سے کام لیا گیا ہے۔ چنانچہ جابجا مختلف انداز سے زندگی میں اس کی اہمیت وضرورت پر انتہائی بلیغ پیرایہ بیان میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً ایک مقام پر حیات انسانی میں فلسفہ و حکمت کی اہمیت وعظمت کا احساس بیدار کرنے کے لئے حصول حکمت کے سلسلے میں اس طرح پر زور

انداز اختیار کیا جاتا ہے۔

"خذا الحکمة انّی کانت فان الحکمة تکون فی صدر المنافق فتلجلج فی صدره حتی تخرج فتسکن الی صواحبها فی صدر المومن۔"[۴]

حکمت جہاں کہیں ہو وہاں سے حاصل کرو۔ اس لئے کہ حکمت منافق کے سینے میں بھی ہوتی ہے لیکن جب تک اس کی زبان سے نکل کر مومن کے سینے میں نہیں پہنچ جاتی ہے اس وقت تک تڑپتی رہتی ہے۔

یا ایک مقام پر حکمت کو مرد مومن کی ملکیت بتاتے ہوئے اس کے حصول کے لئے مومن کے دل میں اس طرح جذبۂ آمادگی کو برانگیختہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

الحکمة ضالة المومن فخذ الحکمة ولو من اهل النفاق۔"[۵]

حکمت مومن ہی کا گمشدہ مال ہے۔ اسے حاصل کرو۔ چاہے منافق سے لینا پڑے۔

علم کی اہمیت اور اس کی افادیت پر بھی مختلف پہلوؤں سے اظہار خیال کیا گیا ہے چنانچہ کبھی علم کی حقیقت اور اس کی افادیت پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے کہ:

"العلم علمان مطبوعٌ ومسموع ولاینفع المسوع اذالم یکن المطبوع۔"

علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو سننے کے بعد قلب کی گہرائیوں میں اتر جائے اور نفس میں رچ بس جائے اور دوسرا وہ کہ جو صرف سننے کی حد تک رہے۔

یعنی وہ علم جو سننے کے بعد دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے اس کے ذریعے عالم باعمل بن جاتا ہے جو صحیح مقصد علم ہے اور جس علم کا تعلق صرف سننے تک محدود رہتا ہے اور علمی دنیا میں جس کا اظہار نہیں ہوتا وہ نہ خود عالم کے لئے فائدہ مند ہوتا ہے اور نہ سماج کے لئے۔ لہٰذا علم کے حصول کا مقصد خود کو اور سماج کو فائدہ پہنچانا ہونا چاہئے جو صرف عالم باعمل بننے کے بعد حاصل ہوسکتا ہے۔ اس کے علاوہ اور مقام پر علم وعمل کی ایک دوسرے سے وابستگی پر الفاظ بدل کر اس طرح اظہار خیال کیا گیا ہے جس سے اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے کہ وہ جس کا علمی دنیا میں کوئی وجود نہیں، وہ انسانیت کو تباہ وبرباد کرنے والا ہے اور وہ علم جو باعمل بھی ہے صرف وہی دنیا میں انسانیت کی فلاح وبہبود کا سبب بنتا ہے۔ مثلاً

العلم مقرون بالعمل فمن علم عمل والعلم یهتف بالعمل فان اجابه والا ارتحل عنه۔

علم، عمل سے وابستہ ہے۔ لہٰذا جو یہ جانتا ہے وہ عمل بھی کرتا ہے اور علم عمل کو پکارتا ہے اگر وہ لبیک کہتا ہے تو بہتر ورنہ پھر علم بھی اس سے کوچ کر جاتا ہے۔

یعنی اگر صاحب علم، عمل کی حقیقت کو سمجھتا ہے تو وہ عالم باعمل بنتا ہے اور وہ جتنا باعمل بنتا ہے، اسی قدر اس کے علم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور سماج کے لئے مفید ثابت ہوتا ہے اور اگر صاحب علم عمل کی حقیقت کو نظر انداز کر کے بے عملی کو اپنا شعار بنالیتا ہے تو رفتہ رفتہ وہ حاصل کیا ہوا علم بھی اس سے رخصت ہوجاتا ہے اور ایک وقت وہ بھی آجاتا ہے کہ وہ بالکل ورق سادہ بن جاتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور مقام پر علم وعمل کی وابستگی پر روشنی ڈالتے ہوئے علم کی حقیقی اقدار کو اس طرح پیش کیا گیا ہے۔

"اوضع العلم ما وقف علی اللسان وارفعه ماظهر فی الجوارح والارکان" ۸

یعنی وہ علم بہت بے قدر و قیمت ہے جو زبان تک رہ جائے اور وہ علم بہت بلند ہے جو انسان کے اعضاء و جوارح سے نمودار ہو۔

ایک مقام پر علم کی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے اس عطیہ خداوندی کی ایک ایسی منفرد وممتاز صفت کو جوہر صاحب علم کے یہاں وسعت ظرف پیدا کردیتی ہے۔ اس طرح موضوع کلام قرار دیا گیا ہے۔

"کل وعاء یضیق بما جعل فیه الاوعاء العلم فانه یتسع" ۹

یعنی ہر ظرف اس چیز سے کہ جو اس میں رکھی جاتی ہے تنگ ہوجاتا ہے۔ مگر علم کا ظرف، جتنا علم بڑھتا ہے وسیع سے وسیع تر ہوتا ہے۔

ایک مقام پر مولائے کائناتؑ نے تحصیل علم کے بنیادی مقاصد کو بیان کرتے ہوئے علم کی عظمت وافادیت پر اس طرح روشنی ڈالی ہے جس سے ہر طالب علم مقصد علم سے بخوبی واقف وآشنا ہوکر حصول علم کی طرف بھرپور دلچسپی اور لگن کے ساتھ راغب ہوسکے تاکہ علم عالم اور سماج دونوں کے لئے باعث طمانیت وسکون قرار پائے۔ بے چینی اور اضطراب کا سبب نہ بن سکے۔ اس لئے کہ بعض مقامات پر علم عالم اور سماج دونوں کے لئے الجھنوں کا سبب بن جاتا ہے۔ ایسا علم یقیناً لائق نفرت وبیزاری ہوتا ہے۔ چنانچہ مولیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

''سل تفقها ولاتسئل تعنتا فان الجاهل المتعلم، شبیه بالعالم وان العالم المتعسف

شبیه بالجاهل المتعنت"۱۰

ایک شخص نے آپ سے ایک مشکل مسئلہ دریافت کیا جس کے جواب میں حضرت نے فرمایا سمجھنے کے لئے پوچھو۔ الجھنے کے لئے مت پوچھو۔ اس لئے کہ وہ جاہل جو سیکھنا چاہتا ہے مثل عالم کے ہے، اور جو عالم الجھنا چاہتا ہے وہ مثل جاہل کے ہے۔

ایک مقام پر عالم کے صحیح مقام سے اس طرح آشنا کیا گیا ہے:

"الفقیه کل الفقیه من لم یقنط الناس من رحمة اللّٰه ولم یوسیهم من روح اللّٰه ولم یومنهم من مکراللّٰه"۱۱

یعنی صحیح معنی میں پوری طرح عالم ودانا وہ شخص ہے جو لوگوں کو رحمت خدا سے مایوس اور اس کی مایوسی سے بالکل مطمئن کردے۔

اس کے علاوہ ایک خطبے میں عالم بےعمل کے لئے اس طرح ارشاد فرمایا ہے۔

''فان العالم العامل بغیر علم کالجاهل الحائر الذی لا یستفیق من جهله بل الحجة علیه اعظم والحصرة له الزم ، وهوا عند اللّٰه الوم" ۱۲

یعنی وہ عالم جو اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا اس سرگرداں جاہل کے مانند ہے جو جہالت کی سرمستیوں سے ہوش میں نہیں آتا بلکہ اس پر اللہ کی حجت زیادہ ہے اور اس کے لئے حسرت و افسوس بھی لازم وضروری ہے اور اللہ کے نزدیک وہ زیادہ قابل ملامت بھی ہے۔

اب آخر میں چندوہ اقوال بھی ملاحظہ ہوں جو تہذیب اخلاق کے سلسلے میں مولائے کائنات نے ارشادفرمائے ہیں۔ مثلاً ایک مقام پر نصیحت کا حکیمانہ انداز ملاحظہ ہو۔

"اذاتمّ العقل نقص الکلام" ۱۳

یعنی جب عقل مکمل ہوجاتی ہے تو باتیں کم ہوجاتی ہیں۔

یا ایک مقام پر خیر الکلام ماقل ودل کی بہترین مثال ملاحظہ ہو۔

"المرء مخبوء تحت لسانه" ۱۴

یعنی انسان اپنی زبان کے نیچے چھپا ہوا ہے۔

اسی نظریے کو دوسرے مقام پر وضاحت کرتے ہوئے اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ

"تکلموا تعرفوا فان المرء مخبوء تحت لسانه"۱۵

بات کرو تا کہ پہچانے جاؤ اس لئے کہ آدمی اپنی زبان کے نیچے پوشیدہ ہے۔

یعنی کسی انسان کے عیب وہنر اس وقت تک سامنے نہیں آتے جب تک وہ کچھ بولتا نہیں ہے۔ اسی بات کو شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح بیان کیا ہے۔

تا مردِ سخن نگفتہ باشد عیب وہنرش نہفتہ باشد [۱۶]

اس حکیمانہ قول سے سماج کو یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ انسان کو معاشرے میں کم سے کم بولنا چاہئے تا کہ وہ کم سے کم غلطی کا مرتکب ہو سکے۔

حقیقتاً انسان کی چرب زبانی اس کی پریشاں خیالی کے سبب ہوتی ہے اور پریشاں خیالی اس کی عقل کی خامی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ جب انسان کی عقل کامل اور فہم میں پختگی آجاتی ہے تو اس کے ذہن وفکر اور نظریات وخیالات میں توازن پیدا ہوجاتا ہے۔

دنیائے انسانیت کو اپنے بلیغ انداز بیان ولطیف اشاریت کے ذریعے تہذیب اخلاق کا درس اس طرح بھی دیا جاتا ہے جو اپنے مقام پر کلیہ بھی ہے اور تعلیم بھی۔

"من لا ن عوده كثفت اغضانه" [۱۷] یعنی جس درخت کی لکڑی نرم ہوتی ہے اس کی شاخیں گھنی ہوتی ہیں۔

علم موسمیات بھی دیگر علوم متداولہ کی طرح انسانی زندگی میں زبردست حیثیت کا حامل ہے۔ ابتدا میں اگرچہ اس علم کی باقاعدہ کوئی شکل نہیں تھی۔ لیکن ترقی علم کے ساتھ جہاں دنیا کے دیگر جدید علوم کا انکشاف ہوا وہیں یہ علم بھی باقاعدہ ایک علم کی صورت میں سامنے آیا۔ اور آج تو قدم قدم پر ہر انسان کے لئے اس علم سے قربت خاص کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ مولائے کائنات نے اس وقت کہ جب اس علم کا کوئی تصور بھی نہیں تھا۔ علم موسمیات اور اس کے تغیر پذیر اثرات پر طبی نقطۂ نظر سے اس طرح روشنی ڈالی ہے۔

'' توقوا البرد فی اوله وتلقوه فی آخره فانه یفعل فی الابدان كفعله فی الاشجار اوله یحرق وآخره یورق" [۱۸]

یعنی شروع سردی میں سردی سے احتیاط کرو اور آخر میں اس کا خیر مقدم کرو۔ کیونکہ سردی ابتدا میں جسموں میں وہی عمل کرتی ہے جو درختوں کے ساتھ کرتی ہے کہ شروع میں درختوں کو جھلسا دیتی ہے اور آخر میں سرسبز شادابی عطا کرتی ہے۔

حیات انسانی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جسے مولائے کائنات نے اپنے خطبات ومکتوبات میں نمایاں طور پر نہ پیش کردیا ہو۔ نہج البلاغہ جہاں ان تمام علوم وفنون کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو رہتی دنیا تک ہر صاحب فکر کو دعوت فکر دیتا رہے گا اور علم وفن کے ہر متلاشی کے لئے مشعل راہ ثابت ہوگا۔ اس کے ساتھ اخلاقیات کا بھی ایک ایسا بے تھاہ سمندر ہے جس میں قیامت تک ہر متجسس ذہن غوطہ زنی کرکے اخلاقیات کے انمول موتی رولتا رہے گا۔ مفتی جعفر حسین صاحب نے بھی ایک مقام پر اسی قسم کا اظہار خیال کیا ہے۔

''نہج البلاغہ اخلاقی تعلیمات کا سرچشمہ ہے اس کے مختصر جملے اور ضرب المثلیں اخلاقی شائستگی، خود اعتمادی حق گوئی اور حق شناسی کا بہترین درس دیتی ہیں۔ ۱۹

اپنی گفتگو کو ختم کرتے ہوئے قوم کے تمام صاحبان فکر ونظر کی خدمت میں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ علم وحکمت کی پر وقار راہوں اور سنگلاخ وادیوں میں نہج البلاغہ ہی ہر سرگرداں مسافر کے لئے شمع راہ بن کر اپنی تابانیوں سے بہترین رہنمائی کرتی رہتی ہے۔ موجودہ ارتقائی دور میں اس کی علمی حیثیت میں روز افزوں اضافہ ہورہا ہے۔ دنیا کے مفکرین وعلماء اس سے اخذ فیض کرنے کی طرف پوری طرح متوجہ ہیں۔ لہٰذا ہمارا اولین فریضہ ہے کہ اس عظیم سرمائے کی اہمیت وعظمت کو پوری طرح محسوس کرتے ہوئے اس سے فیضیاب ہونے کی کوشش کریں تاکہ ہمیں دنیا کی دوسری اقوام میں سر بلندی حاصل ہوسکے۔

حواشی:

۱۔قرآن کریم سورۂ جمعہ

۲۔ترجمہ نہج البلاغہ، مرزا یوسف حسین لکھنوی ص ۱۸۸

۳۔ترجمہ نہج البلاغہ علامہ مفتی جعفر حسین ص ۸۰۵

۴۔ ایضاً ص ۸۲۷

۵۔ ایضاً ص ۸۲۷

۶۔ ایضاً ص ۸۰۵

۷۔ ایضاً ص ۹۲۳

۸۔ ایضاً ص ۸۳۰

۹۔ ایضاً ص ۸۶۷

۱۰۔ ایضاً ص ۹۱۲

۱۱۔ ایضاً ص ۸۳۰

۱۲۔ ایضاً ص ۳۱۲

۱۳۔ ایضاً ص ۸۲۳

۱۴۔ ایضاً ص ۸۵۲

۱۵۔ ایضاً ص ۸۲۳

۱۶۔ حکایت گلستان شیخ سعدی

۱۷۔ ترجمہ نہج البلاغہ علامہ مفتی جعفر حسین ص ۸۷۰

۱۸۔ ایضاً ص ۸۴۳

۱۹۔ ایضاً ص ۲۰